بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

مرزا غلام احمد قادیانی کے متبعین کے بارے میں پاکستان کی قومی اسمبلی نے حال ہی میں جو متفقہ فیصلہ کیا ہے اس پر لفظ "فیصلہ" کا اطلاق صحیح نہیں۔ یہ تو مسلم قوم کے عقیدہ و ایمان کا اُس کے نمائندوں کی طرف سے ایوانِ حکومت کے اندر برملا اظہار ہے یا دوسرے لفظوں میں قوم کے نمائندوں کی زبان سے اس بات کا اعتراف ہے کہ ملکی دستور میں جس بنیادی حقیقت کو گذشتہ ستائیس برس سے نظر انداز کیا جا رہا تھا اُسے آئین میں شامل کر لیا گیا ہے۔ ورنہ جہاں تک اسلام میں عقیدہ ختم نبوت کی بنیادی اہمیت کا تعلق ہے وہ تو اسی روز سے مسلّم ہے جس روز سے خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی صراحت کر دی ہے۔ اس عقیدہ پر ایمان لا کر ہی کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ مجرد خدا پر ایمان تو مسلمانوں کے علاوہ دوسرے بیشمار لوگ اور متعدد قومیں بھی رکھتی ہیں۔ پھر دنیا میں ایسے افراد کی بھی کمی نہیں جو نہ صرف توحید کے قائل ہیں بلکہ آخرت، نبوت، حشر و نشر پر بھی اعتقاد رکھتے ہیں۔ ان کے اور مسلمانوں کے مابین اگر اختلاف ہے تو صرف یہ کہ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی ہونے کی وجہ سے قیامت تک منشائے الٰہی کے واحد ترجمان ہیں۔ حضورؐ کی لائی ہوئی تعلیمات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہی وہ فیصلہ کن معیار ہے جس کے مطابق نوع بشری کو رہتی دنیا تک صحیح و غلط اور محمود و مذموم کے مابین تفریق کرنا ہوگی۔

دنیا کے بہت سے لادین افراد، جن کے غیر مسلم ہونے میں کسی مسلمان کو ذرہ برابر بھی شبہہ نہیں، حضورؐ کا متعدد وجوہ کی بنا پر احترام کرتے ہیں۔ بعض کے نزدیک حضورؐ ایک انقلابی شخصیت کے مالک تھے اور بعض کے خیال میں حضورؐ نے مصلح کی حیثیت سے شاندار کردار ادا کیا۔ بعض مفکرین کی نظر میں حضورؐ سرورِ کائنات نے تہذیب کے گیسو سنوارے

اور عقل کو چار چاند لگائے اور بعض کے نقطۂ نظر کے مطابق حضورؐ نے معیشت کو عدل و انصاف کی بنیاد پر استوار کرنے میں شاندار کارنامہ سرانجام دیا۔ حضورؐ سرور کائنات کے یہ سارے کارنامے اپنی جگہ بجا اور درست اور حضورؐ کی عظمت کے ناقابل تردید شواہد! مگر محض ان کے اعتراف سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ مسلمان ہونے کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ زبان سے اور دل کی گہرائیوں سے اس حقیقت کا اعتراف کرے اور اس اعتراف کو اپنی زندگی کا سب سے بیش قیمت سرمایہ تصور کرے کہ خداوند تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے نبوت کا جو مقدس سلسلہ قائم کیا تھا اسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ختم کر دیا گیا ہے۔ اب قیامت تک حضورؐ ہی انسانوں کے مطاع اور ہادی اور رہنما ہیں، اور جو شخص حضورؐ کی اطاعت، حضورؐ کی ہدایت اور حضورؐ کی رہنمائی کے مقابلے میں کسی دوسرے فرد یا گروہ کی اطاعت اور رہنمائی کو جزئی یا کلی فوقیت دیتا ہے یا اپنے اندر اس قسم کا کوئی رُجحان بھی رکھتا ہے۔ وہ ایمان کی دولت سے یکسر محروم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے سلسلے میں بعض گمراہ طبقے بڑی عیاری کے ساتھ لوگوں کے اندر اس باطل خیال کو بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضورؐ بلاشبہ نبی برحق تھے، اُن کے عظیم الشان کارنامے بھی ہر لحاظ سے قابلِ ستائش ہیں، لیکن حضورؐ کی نبوت اور حضورؐ کی تعلیمات کا تعلق چونکہ اُس مخصوص دور سے تھا جس میں آپؐ مبعوث ہوئے اسی لیے ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد یا زیادہ سے زیادہ اُن کی وفات کے دس بارہ سال بعد وہ دَور ختم ہو گیا۔ لہٰذا حضورؐ کے ارشادات و فرمودات اور ان کے پاکیزہ افعال و اعمال خواہ اُس مخصوص دَور کے لیے کس قدر غیر معمولی اہمیّت کے حامل رہے ہوں مگر آج کے دَور میں وہ تمام کے تمام واجب الاتباع قرار نہیں دیئے جا سکتے ــــ آج عصری تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر ان کی صحت اور افادیت کا فیصلہ کرنا ہوگا۔ ان عیار لوگوں کے الفاظ خواہ کتنے ہی دلفریب اور دلکش ہوں لیکن ان کے پیچھے صرف یہی جذبہ کام کرتا ہے کہ حضورؐ کی نبوت کو ایک عارضی اور وقتی رہنمائی سمجھ کر اُسے ایک قصّہ پارینہ بنا دیا جائے۔

بالکل اسی نوعیت کی گمراہی کا وہ لوگ شکار ہیں جو حضورؐ کی نبوت کے تو قائل ہیں مگر نبوت کے اس مقدس

سلسلے کو آپ کی ذات پر اختتام پذیر ہونے کے قائل نہیں اور اپنے اس صریح انکار ، جو بالکل کفر ہے ، کی ایسی بھونڈی تاویلات کرتے رہتے ہیں جس سے وہ اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کی حیثیت سے مبعوث فرمایا تھا ۔ یہ لوگ بعض دوسرے عیار غیر مسلموں کی طرح کبھی کبھی اپنی زبان سے حضورؐ کی عظمت کا اعتراف بھی کر دیتے ہیں مگر اس اعتراف کے پیچھے وہ ساری فریب کاریاں موجود ہوتی ہیں جن کا دوسرے غیر مسلم اور لادین عناصر تصوّر بھی نہیں کر سکتے ۔ وہ اپنی تقریروں اور تحریروں اور اخباری بیانات میں حضورؐ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں ، ان کے محاسن بھی گنواتے ہیں ، اور ان حقائق کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ حضورؐ نے انسانیت پر بڑے احسانات کیے ہیں ، اُن کی ذات جامع کمالات ہے اور ان میں تمام انبیاء کے اوصاف بدرجہ اتم موجود ہیں ، کوئی دوسرا پیغمبر اپنے مرتبے اور مقام میں ان کے برابر نہیں ہو سکتا مگر وہ ان دلکش فقروں کی آڑ میں یہ کہہ کر مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کے لیے راستہ ہموار کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضورؐ کی غلامی میں اس قدر خیر و برکت پائی جاتی ہے کہ اس میں سچے دل سے گرفتار ہونے کے بعد ایک شخص نبی بن سکتا ہے ۔ چنانچہ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خاتم النبیین کہا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ سلسلہ نبوت آپ کی ذات اقدس پر ختم ہو گیا ہے بلکہ یہ ہے کہ جس شخص پر حضورؐ کی اطاعت کی مہر تصدیق ثبت ہو جائے وہ نبوت کا حقدار ہو جاتا ہے ۔

یہ ہے وہ ضلالت و گمراہی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے اعتراف کے پردے میں بڑی عیاری سے پھیلائی جاتی ہے ۔ بعض لوگ اپنی کم عقلی کی وجہ سے اس کفر کو پہچاننے سے قاصر رہتے ہیں درآنحالیکہ یہ ہے صریح کفر ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ سارے انبیاء میں افضل ہیں اور ان کی جملہ صفات حضورؐ کی ذات اقدس میں اپنے پورے کمالات کے ساتھ جمع ہیں یا بالفاظِ دیگر خدا کے بعد جس عظیم ہستی کا کوئی انسان تصور کر سکتا ہے وہ محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی ہے ۔ دنیا میں نیکی ، پرہیز گاری ، خدا خوفی ، شرافت ، امانت اور دیانت کی جو قندیلیں بھی روشن ہیں وہ سب حضورؐ کے نور سے مستنیر ہیں ۔ یہ سب حقائق اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہیں اور انہیں تسلیم کرنا ایمان کا اہم تقاضا ہے لیکن محض اسی تقاضے کو پورا کرنے سے ایمان کا وہ تقاضا پورا نہیں ہوتا جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کی بنیادی شرط قرار دیا گیا ہے حضورؐ کی ذات بلاشبہ تمام انبیاء کے اوصاف کا مظہر اتم تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی اتنی ہی بنیادی

اہمیت کی حامل ہے جتنی کہ حضوؐر کی غیر معمولی عظمت کہ حضوؐر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے وہ آخری رسول ہیں جن پر سلسلہ نبوت ختم ہوگیا ہے۔ حضوؐر کی ذات اقدس اگر ایک زاویہ نگاہ سے نبوت کی معراج ہے تو دوسرے زاویہ نگاہ سے نبوت کا اختتام بھی ہے اور حضوؐر کی ان دونوں حیثیتوں کا ماننا حضوؐر پر ایمان کا لازمی اقتضا ہے۔ اگر ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل تو تسلیم کرتا ہے مگر انھیں ختم الرسل نہیں مانتا تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حضوؐر کو آخری نبی کی حیثیت سے تو مانتا ہے مگر ان کے مقابلے میں وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام یا حضرت موسٰی علیہ السلام کو افضل جانتا ہے تو اُس کا دل بھی متاعِ ایمان سے خالی ہے۔

گمراہی کے اندر کشش اور وزن پیدا کر کے اس کا پرچار کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے گمراہ کُن مفروضات قائم کیے جائیں کیونکہ ان مفروضات پر ہی کسی گمراہ کُن نظریہ کی عمارت تعمیر کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ عقیدۂ ختم نبوت کے بارے میں گمراہی پھیلانے والوں نے سب سے پہلے غلط مفروضات ہی قائم کیے ہیں۔ ان میں سے پہلا غلط مفروضہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کی بعثت کو حضوؐر کی غلامی کی رہینِ منت سمجھ لیا گیا ہے۔ یعنی جو شخص بھی سچے دل کے ساتھ حضوؐر کی پیروی کرے گا اس کے روحانی درجات اتنے بلند ہو جائیں گے کہ اس کے سر پہ نبوت کا تاج رکھ دیا جائے گا۔ مقامِ نبوت کے بارے میں اس غلط اور گمراہ کُن نظریہ کا یہ پہلا مقدمہ ہی بالکل غلط ہے۔ نبوت کسی عظیم تر نبی کی پیروی سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ کے تحت جسے چاہتا ہے اُسے اس خصوصی امتیاز سے سرفراز فرما دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ؕ (البقرہ-۱۰۵)	یہ لوگ جنہوں نے دعوتِ حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے، خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے، ہرگز یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارے رب کی طرف تم پر کوئی بھلائی نازل ہو، مگر اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے چن لیتا ہے اور وہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔

قرآن مجید نے اس حقیقت کو مختلف مقامات پر نہایت واشگاف الفاظ میں بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ مقامِ نبوت کسی ریاضت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کا سارا دارومدار اللہ کی حکمت اور اس کی مرضی پر ہے وہ جسے چاہتا ہے اُسے یہ "رحمت" عطا کر دیتا ہے۔ اس پر کسی شخص کا اپنے کسی عمل کی وجہ سے استحقاق نہیں ہوسکتا۔ اگر نبوت کا دارومدار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلصانہ پیروی پر ہوتا تو پھر اس بلند مرتبہ و مقام کے سب سے زیادہ حقدار آپ کے جاں نثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ حضورؐ کی غلامی کی وجہ سے سب سے پہلے یہ اعزاز سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آتا۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے سرفراز کیے جاتے پھر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی باری آتی اور اسی طرح حضورؐ کے دوسرے رفقا کو یہ عظمت نصیب ہوتی لیکن ان حضرات میں سے کسی ایک بزرگ کے حاشیہ خیال میں بھی کبھی یہ بات نہ آئی کہ حضورؐ کی پیروی کے صدقے میں وہ مقامِ نبوت پر فائز ہونے کے مستحق ہیں۔ ان کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا اس قدر مسلّم اور واضح حقیقت تھی کہ وہ اس بات کا کبھی تصوّر بھی نہ کرسکتے تھے کہ کوئی شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو تسلیم کرنے کے بعد خود بھی نبوت کا دعویدار ہوسکتا ہے۔ ان کے لیے جس طرح یہ باور کرنا ناممکنات میں سے تھا کہ خدا کے علاوہ بھی کوئی معبود ہوسکتا ہے بالکل اسی طرح اُن کے لیے یہ بات بھی ناقابلِ فہم تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبوت کا کوئی نیا دعویدار جنم لے سکتا ہے چنانچہ جس شخص اور گروہ نے اس معاملے میں کوئی معمولی سی جسارت بھی کی اُسے انھوں نے پوری قوت سے دبا دیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجرائے نبوت کا باطل نظریہ جس دوسرے غلط مفروضے پر قائم ہے اس کا پورا تانا بانا ہی دجل و فریب سے تیار کیا گیا ہے اور اس کی تیاری میں بھی وہی مکاری کارفرما نظر آتی ہے جس کی جھلک اس پورے فلسفے میں بآسانی دیکھی جاسکتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے نام پر بڑی عیاری کے ساتھ اس گمراہ کن تصوّر کو لوگوں کے دل و دماغ میں بٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ بات حضورؐ کی شان کے منافی ہے کہ حضورؐ کی ذات پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا جائے۔ نبوت کو چونکہ قرآن مجید میں رحمت قرار دیا گیا ہے اس لیے رحمۃ اللعالمین کے بعد اس رحمت کا انقطاع معاذ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے۔ لہٰذا حضورؐ کی ارفع و اعلیٰ شان اس بات کی متقاضی ہے کہ آپؐ

کے بعد سلسلۂ نبوت کو قائم رکھا جائے۔ اگر حضورؐ کی بعثت سے پہلے انبیاء علیہم السّلام مبعوث کیے جا سکتے تھے تو حضورؐ کے وصال کے بعد بھی اس سلسلے کا قائم رہنا ضروری ہے۔

یہ باطل مفروضہ کئی منطقی مغالطوں سے عبارت ہے۔ سب سے پہلے یہ دعویٰ کہ حضورؐ پر سلسلہ نبوت کا اختتام حضورؐ کی شان کے منافی ہے قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔ آخر یہ کیونکر فرض کر لیا گیا ہے کہ چونکہ صفت نبوت اپنے اوج کمال اور معراج کو پہنچ چکی ہے اس لیے اس کے بعد اگر اس کا سلسلہ ختم ہو جائے تو وہ اس کی توہین اور تذلیل کے مترادف ہے۔ یہ طرز استدلال اگر صحیح مان لیا جائے تو پھر یہ اس بلند و بالا ذات کی بھی توہین ہے کہ اس کی معرفت حاصل ہو جانے کے بعد آدمی ہر دوسرے معبود سے صرف نظر کر لے۔ اگر کسی ہستی کی عظمت کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ وہ چھوٹے بڑے پیمانے پر اپنی نوعیت کی دیگر ہستیوں کو معرضِ وجود میں لانے کا ذریعہ بنتا رہے تو پھر خدا کے ساتھ دوسرے خداؤں کا ماننا بھی انسان کی ایک ناگزیر ضرورت بن جاتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ سے پہلے انبیاء کی مثال آفتاب اور ستاروں کی سی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی کے لیے ستاروں کی مانند انبیاء مبعوث فرمائے تاکہ بھٹکی ہوئی انسانیت راہ یاب ہو سکے مگر ان ستاروں کا وجود اس بات کا پتہ دے رہا تھا کہ ایک ایسا آفتاب طلوع ہونے والا ہے جس کی روشنی میں دوسری سب روشنیاں ماند پڑ جائیں گی۔ وہ آفتاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی صورت میں اس کرہ ارض پر طلوع ہوا۔ اس آفتاب کے نمودار ہونے سے پہلے تو ستاروں کی روشنی کی بلاشبہ اہمیت تھی۔ بلکہ اس وقت تو قندیلیں اور دیئے بھی بڑی افادیت کے حامل تھے لیکن آفتاب کے جلوہ گر ہونے کے بعد آخر اُن کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ ان کا فائدہ اگر کچھ ہو سکتا ہے تو صرف ان بدنصیب لوگوں کو جو سب سے پہلے اپنے آپ کو کسی ایسے تنگ و تاریک گوشے میں مقید کر لیں جہاں اس آفتاب کی کوئی کرن نہ پہنچنے پائے کیونکہ جو مقام اس کی کرنوں سے منور ہوگا وہاں دوسری روشنی بالکل عبث اور بیکار ہوگی۔ فروغ صبح سے پہلے اگر نور کے لطیف ریزے فضائے بسیط کو

مدھم سی روشنی مہیا کر دیں تو یہ اُن کا بڑا کارنامہ ہے لیکن جب خورشید طلوع ہو کر پورے عالم کو بقعۂ نور بنا دے تو پھر یہ لطیف ریزے بالکل غیر مؤثر ہو جاتے ہیں بلکہ ان کے وجود کا انسان ادراک بھی نہیں کر سکتا۔

پھر اس حقیقت کا ایک دوسرا پہلو بھی قابل غور ہے۔ طلوع آفتاب سے پہلے تو نور کے لطیف ریزوں کی موجودگی انسان کے اندر اُمید کی شمع فروزاں کرنے کے لیے ضروری ہے کہ رات کی تاریکی چھٹنا چاہتی ہے۔ اور آفتاب جلد ہی دنیا کو منور کرنے والا ہے لیکن جب آفتاب کی کرنیں کرہ ارض کو روشن کر دیں اور انسان کو اس بات کا بھی یقین ہو کہ دوسرا کوئی آفتاب اس کی جگہ لینے والا نہیں تو مصنوعی روشنی کے چھوٹے چھوٹے فانوسوں کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کر کے ان کے دلوں میں اُمید کی کون سی جوت جگائی جا سکتی ہے۔

یہ بات انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے اور اس کے دل میں خوب کے لیے اس وجہ سے جذبہ محبت و احترام ہوتا ہے کہ اُسے اس "خوب" سے خوب تر کا پتہ ملتا ہے اور وہ اس بات کا اندازہ کر سکتا ہے کہ اگر یہ "خوب" ان خوبیوں کا حامل ہے تو "خوب تر" میں کس طرح کی خوبیاں موجود ہوں گی اور جو اس "خوب" کی سب سے آخری، سب سے افضل، سب سے زیادہ نمایاں اور سب سے بہترین صورت ہو گی تو وہ کیا ہو گی۔ "خوب" اس وقت تک تو کسی فرد یا گروہ کے لیے محبت و عقیدت کا محور و مرکز رہ سکتا ہے جب اس کی زیادہ بہتر صورت نظروں سے اوجھل رہے لیکن جب یہ "خوب" اپنی مکمل اور مثالی صورت میں سامنے آ جائے اور انسان کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ اس سے زیادہ بہتر صورت کا تصوّر ممکن نہیں تو پھر محبت اور عقیدت کے سارے جذبات صرف اسی بہترین ذات کے گرد گھومتے ہیں اور انسان کسی دوسری طرف توجہ کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہو سکتا۔

خداوند تعالیٰ نے رحمۃ اللعالمین کو جو انبیاء کا امام اور سلسلہ نبوت کی آخری کڑی بنایا ہے تو اس کے پیچھے بہت سی حکمتیں کار فرما ہیں۔ ان میں سب سے پہلی حکمت یہ ہے کہ اب جو شخص بھی اللہ کی رحمت کا طلبگار ہے اور خدا کی رضا اور خوشنودی چاہتا ہے تو اُسے اِدھر اُدھر تاریکی میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کی ضرورت نہیں بلکہ اسے خلوص کے ساتھ صرف رحمۃ اللعالمین کا دامن تھام لینا چاہیے (باقی بر صفحہ ۴۶)

(بقیہ اشارات صفحہ ۸) اور اس سراپا رحمت کی وساطت اور اس کی ہدایت اور رہنمائی میں دُنیوی فلاح اور اُخروی کامرانی کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔ کیا یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا اعجاز نہیں کہ اس نے خدا کے بندوں کو عقیدت و محبت کا ایک مستقل محور عطا کر کے انہیں انتشار سے بچایا ہے۔ حضورؐ کے بعد نبوت کے اجراء کا مطلب یہ ہے کہ اُمت مستقل طور پر افتراق اور انتشار کا شکار رہے کیونکہ ایک نبی کے بعد جب بھی دوسرا نبی مبعوث ہوتا ہے تو فطری طور پر کفر و اسلام کا سوال ازسرِ نو پیدا ہو جاتا ہے اور اس طرح معاشرہ زیروزبر ہوتا رہتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے چونکہ مختلف انبیاء مختلف قوموں، ملکوں اور نسلوں کی طرف مبعوث ہوتے تھے اس لیے نئے نبی کی تشریف آوری سے پوری نوع انسانی متاثر نہ ہوتی تھی اور کفر و اسلام کا سوال ایک محدود سے حلقے یا دائرے تک مقید رہتا تھا لیکن حضورؐ چونکہ قیامت تک پوری نوع بشری کے لیے خدا کے آخری رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور دنیا کے مختلف گوشے بھی سمٹ کر ایک دوسرے کے اس قدر قریب آگئے ہیں کہ اب کفر اور اسلام کے سوال کو کسی ایک خاص خطے یا کسی ایک قوم یا ملک تک محدود نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ سوال جب بھی پیدا ہو گا تو پوری نوع انسانی اس کی زد میں آ جائے گی۔

جو لوگ اسلام کی ابجد سے بھی کوئی واقفیت رکھتے ہیں وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ سوال سب سے زیادہ قوت اور شدت کے ساتھ اگر دین کے کسی مسئلے پر ابھر سکتا ہے تو وہ صرف نبوت کا مسئلہ ہی ہوتا ہے اور یہ بالکل فطری امر ہے کیونکہ نبی ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس کی رہنمائی میں کوئی شخص خدا کی ذات اور صفات کو پہچانتا اور دوسرے اُمورِ غیب پر ایمان لاتا ہے۔ پھر نبی کی لائی ہوئی تعلیمات کے مطابق وہ نہ صرف حق کو باطل سے ممیز کرتا ہے بلکہ حق کو سربلند کرنے اور باطل کو مٹانے کے لیے سردھڑ کی بازی لگا دیتا ہے۔ نبی کی محبت اور عقیدت اس کی زندگی کی سب سے قیمتی متاع ہوتی ہے اور اس کی غلامی اختیار کر کے ہی وہ دنیا اور آخرت میں فائز المرام ہو سکتا ہے۔

ظاہر بات ہے کہ جس ذات کی دین کے اندر اس قدر غیر معمولی اہمیت ہو کہ اس کی دُنیوی کامرانی اور اُخروی فلاح کا پورا دارومدار اس ذات کے اتباع پر ہو اور اسے نظرانداز کرنے سے وہ خدا کے غضب کا مستوجب قرار پاتا ہو، اس ذات پر ایمان اور اس کا انکار کسی فرد اور معاشرے کے لیے کوئی معمولی بات تو نہیں ہو سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص نبوت کا دعویدار بن کر سامنے آتا ہے تو اسی لمحہ کفر و اسلام کی بحث پوری قوت کے ساتھ چھڑ جاتی ہے۔ جو لوگ اس کے اس دعویٰ نبوت کی تصدیق کر کے اس پر ایمان لے آتے ہیں وہ اُن لوگوں سے یکسر کٹ کر ایک الگ اُمت بن جاتے ہیں جو اس کے اس دعوے کو باطل سمجھ کر جھٹلا دیتے ہیں۔ اس طرح پورا معاشرہ دو مختلف گروہوں یا دو مختلف اُمتوں میں بٹ جاتا ہے جن کے افراد کے مابین بعض ظاہری اعمال میں مماثلت کے باوجود سخت افتراق پایا جاتا ہے۔ جب محبت اور عقیدت کے مراکز اور ہدایت کے سرچشمے ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو ان دونوں گروہوں کی معاشرتی اور دینی زندگی کا ایک دوسرے سے الگ ہو جانا بالکل فطری امر ہے۔

سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرو جو چاہے کہتے رہیں لیکن اس حقیقت سے آخر کس قدر انکار کیا جا سکتا ہے کہ جو لوگ بھی مرزا صاحب پر ایمان نہیں رکھتے انہیں مرزا صاحب اور اُن کے متبعین نے ہمیشہ کافر گردانا ہے اور ان کے ساتھ دینی اور معاشرتی سطح پر اس طرح کا معاملہ کیا ہے جس طرح ایک مسلمان کسی کافر کے ساتھ کرتا ہے۔ چوہدری ظفر اللہ کو پاکستان کی قومی اسمبلی کے فیصلے پر آج یہ بات اچانک یاد آئی ہے کہ ایمان خدا اور انسان کے درمیان ذاتی تعلق ہے لیکن وہ غالباً برہمی کے عالم میں اپنے پیغمبر اور اس کے جانشینوں اور اپنی اُمت کے دوسرے اکابرین کے نقطہ نظر اور طرز عمل کو بھول گئے ہیں جو مرزا صاحب اور اُن کی جماعت نے دوسرے مسلمانوں سے زندگی کے مختلف دائروں میں روا رکھا ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے دعوائے نبوت کے جھٹلانے والوں کو نہ صرف کافر قرار دیا ہے بلکہ انہیں اس قدر گھٹیا الفاظ سے یاد کیا ہے کہ بار بار تہذیب کی نگاہیں نیچی اور حیا کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے۔ اُن کے لیے انہوں نے ذُرّیۃ البغایا (بدکار عورتوں کی اولاد)، لعین، نطفہ السفہا، کلاب، شیطان اعمی، غول اغویٰ اور ملعون کے الفاظ اس کثرت سے استعمال کیے ہیں کہ گویا یہ "جواہر پارے" مرزا صاحب کا تکیہ کلام ہیں۔

یہ تو ہے مسلمانوں کے بارے میں مرزا صاحب کی دلی کیفیت کا عکس۔ جہاں تک مذہبی بُعد کا تعلق ہے اُس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مرزا صاحب اور ان کے ماننے والوں کے نزدیک کسی غیر قادیانی امام کے پیچھے نماز پڑھنا یا کسی غیر قادیانی کا جنازہ پڑھنا، خواہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو قطعاً حرام ہے۔

راقم الحروف کو سرظفر اللہ کی خود نوشت سوانح حیات "تحدیث نعمت" کا انہی دنوں پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس کے مطالعہ سے ایک بات بالکل واضح معلوم ہوتی ہے کہ یہ صاحب مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے خلفاء اور انگریزی استعمار اور مغرب کی دوسری اسلام دشمن طاقتوں کے مابین ہمیشہ ایک قابل اعتماد رابطہ افسر کا فرض سرانجام دیتے رہے ہیں اور انہیں مرزا صاحب اور ان کے جانشینوں خصوصاً حکیم نورالدین کا بہت زیادہ قرب حاصل رہا ہے۔ میں انہیں اس ایمان کا واسطہ دے کر جسے وہ خدا اور بندے کے درمیان ایک ذاتی تعلق سمجھتے ہیں، یہ پوچھتا ہوں کہ کیا انہیں ان مظلوموں پر کبھی ترس نہیں آیا جنہیں خلافت سے معمولی اختلاف کی وجہ سے یا تو قتل کر دیا گیا یا شدید ظلم و ستم کا تختہ مشق بنایا گیا۔ اگر ایمان قلبی کیفیت کا ہی نام ہے تو پھر اس اختلاف کی بنا پہ اس جبر و تشدد کا آخر کیا جواز ہو سکتا ہے۔ آپ غالباً اس دل ہلا دینے والے معاشرتی مقاطعہ سے بھی واقف ہوں گے جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ایک آپ کی جماعت کے ایک فرد نے سخت مجبوری کی بنا پر اپنی ایک لڑکی کسی غیر احمدی کے نکاح میں دے دی اور اس کے اس جرم کی پاداش میں آپ کے محسن اور مربی حکیم نورالدین نے نہ صرف اس بیچارے کو احمدیوں کی امامت سے ہٹا دیا اور جماعت سے خارج کر دیا بلکہ اپنی خلافت کے چھ سالوں میں اس کی توبہ قبول نہ کی باوجودیکہ وہ بار بار توبہ کرتا رہا۔ آپ کو اگر اس واقعہ کا علم نہ ہو تو آپ اسے انوار خلافت میں دیکھ سکتے ہیں۔ اگر ایمان محض قلبی کیفیت کا نام ہے اور اس بنا پہ اسے کسی معاشرتی طرز عمل میں منعکس نہ ہونا چاہیئے تو پھر اپنی جماعت کے سربراہوں کی ان سفاکیوں اور زیردست آزاریوں پر خون کے آنسو بہائیے جن کی وجہ سے نہ صرف عامۃ المسلمین بلکہ آپ کی جماعت کے بعض سرکردہ افراد کو اپنی زندگیوں تک سے ہاتھ دھونے پڑے۔